ضیاء المصطفیٰ ترک
ایم فل اسکالر
شعبۂ اردو، نوشہرہ یونی ورسٹی، نوشہرہ

ثروت حسین کی نظم: ایک بازدید

ABSTRACT

Sarwat Hussain's Poems: A Review
By Zia-ul-Mustafa, M.Phil, Department of Urdu, Noshehra University, Noshehra.

Sarwat Hussain is one of those Urdu Poets who are believed to be the most modern in terms of their look and countenance, not merely among their coevals and contemporaries but also in comparison with the arena of the previous era and they are recognized as "trendsetters". Sarwat's work still needs to be appreciated in a due manner. Although his Ghazals are equally significant, they aren't discussed here as this essay is solely an attempt to encompass different aspects of his novelty in his poetry and esp. in his metric/rhythmic poems and for this purpose, many of his important poems are analyzed and valued critically keeping his topics, techniques, and diction in view. Studying these poems' text required both textual and contextual ways, and both are followed. Modern Poetry usually contains various layers of meanings and its decoding calls for a continuous process of envisaging the innate and distinctive characteristics of the poet's demeanor which takes time and so is Sarwat's case that his due appreciation not just hadn't been possible before his untimely death but it is still awaited. This essay is an endeavor, a strive to pay the debt which is overdue by now.

''آدھے سیّارے پر'' کے آغاز میں ہی ثروت حسین کی نظم کے ساتھ اپنے مضبوط انسلاک کی گواہی دیتی ہوئی یہ تین سطریں اس شعری منطقہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس میں تخلیق کار اپنے نفسی بہاؤ اور (Trance) میں اپنا عرصۂ شب و روز اس طور گزارتا ہے کہ زندگی کے خارجی مظاہر کے ساتھ بظاہر ربط ضبط کے باوصف دراصل وہ کسی سرشاری کی کیفیت میں مبتلا اپنے باطن کے ساتھ مکالمہ میں محو رہتا ہے:

یہ ابر، یہ بوچھار
اس خواب میں ہم کو
چلنا ہے لگاتار(۱)

یہ تین سطری اعلامیہ گویا کہ اس (Commitment) کا، اس وابستگی کا اظہار ہے جو شاعر کی بعد ازاں نگارشات سے لفظ لفظ عیاں ہوتی رہتی ہے۔

مجموعہ کی پہلی نظم ''ایک نظم کہیں سے بھی شروع ہوسکتی ہے'' کے عنوان سے ہے۔ اس نظم میں زندگی کو شاعری کے زاویہ نشین کی طور پر بارِ دیگر دریافت کرنے کا عمل نظر آتا ہے، وہ عمل جو شاعری میں زندگی کی تمام تر جہتوں، تمام تر رنگوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے سے عبارت ہے۔ بارشوں میں بیٹھ جانے والی قبر اور اس کی پائنتی کھلنے والے پھول، جائے نماز کے نیچے چیونٹیاں، جلاوطنی کا آزار، تہواروں کی دھوپ، خالی برتنوں، خالی قمیصوں، ہاتھ گاڑیوں اور جنازوں جیسے مناظر سے ترکیب ہونے والی یہ نظم اپنے فکری حوالوں سے اس قدر وسیع تناظر کی حامل ہے کہ شاید جدید اردو شاعری میں اس قدر فراخی و وسعت کی حامل نظموں کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہے۔ ارضیّت اس نظم میں اپنی تمام تر شدّت کے باوجود کہیں بھی مزاحمت میں بدلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ نظم میں جو منظر نامہ پیش کیا گیا ہے، اس میں شاعری اور زندگی مکمل طور پر یکجان ہیں، کہیں کوئی مغائرت کا شبہ تک نہیں ہوتا۔

چند سطریں ملاحظہ ہوں؛

نظم کا بھی ایک گھر ہوگا
کسی جلا وطن کا دل یا انتظار کرتی ہوئی آنکھیں
ایک پہیہ ہے جو بنانے والے سے ادھورا رہ گیا ہے
اسے ایک نظم مکمل کرسکتی ہے
ایک گونجتا ہوا آسمان نظم کے لیے کافی نہیں
لیکن یہ ایک ناشتہ دان میں بآسانی سما سکتی ہے
پھول، آنسو اور گھنٹیاں اس میں پروئی جاسکتی ہیں
اسے اندھیرے میں گایا جاسکتا ہے
تہواروں کی دھوپ میں سکھایا جاسکتا ہے (۲)

ثروت حسین کی شعری کائنات میں کمال کی خوبصورتی و دلکشی کے ساتھ ساتھ بڑا تنوع بھی موجود ہے۔ اس کی نظموں کا منظر نامہ قدم بقدم بدلتا ہوا Land Scape ہے، جو سطر سطر منکشف ہوتا ہے تو قاری ایک ایسی تحیر آمیز فضا میں آن نکلتا ہے، جس سے وہ اس سے قبل واقف نہیں ہوتا۔ باوجود یہ کہ، شعراً کا طرزِ نگاہ اور طرزِ احساس یوں بھی عام لوگوں سے خاصا ہٹ کر ہوا کرتا ہے اور وہ بعضے معمولی اور عمومی مظاہر کو بھی نظر انداز نہیں کر پاتے کہ ان کے محسوسات معمول کے مشاہدے میں آنے والی چیزوں کو بھی بہت معنی خیز اعتبار کا حامل جانتے ہیں، لیکن یقین کیجیے، اس نواح سے گزرتے ہوئے بارہا احساس ہوتا ہے کہ ایسے کتنے ہی مناظر و مظاہر ہمارے بھی مشاہدے میں آئے، مگر ہم انھیں نظر انداز کر گئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں

ثروت حسین کو ''شاعروں کا شاعر'' سمجھتا ہوں۔ سہیل احمد خان نے زیرِ نظر کتاب کے مقدمے میں بجا طور پر لکھا تھا کہ ''ثروت حسین کی نظموں اور غزلوں میں تاروں کی جھلمل جھلمل کرتی ہوئی روشنی دیکھتا ہوں تو احساس ہوتا ہے، میرا ہم عصر تارا، ثروت کا بھی ہم عصر ہے اور اس نے اس تارے سے کچھ ایسی رمزیں بھی سیکھ لی ہیں جو اس نے مجھے بھی نہیں بتائیں۔''(۳)

ثروت کے ہاں ایک اور تکنیک بڑی ہنر مندی کے ساتھ برتی ہوئی نظر آتی ہے، اور وہ کسی بھی منظر کا Micro-View لینے کی تکنیک ہے۔ مثلاً، اس کی ایک نظم ''وصال'' دیکھیے۔ کسی چاہنے والے کا اپنے محبوب کی تقریبِ دید و ملاقات کے لیے ایہ طرزِ احساس، محبت اور فطرت کی یکجائی سے جنم لیتا ہے اور اس نظم کی بنت اس سارے عمل کو Slow Motion میں دکھانے کی ایک کامیاب نظیر ہے۔ نظم ملاحظہ کیجیے:

خوشبو کی آواز سُنی
غنچۂ لب کے کھلتے ہی
پانی پر کچھ نقش بنے
پرتوِ شاخ کے ہلتے ہی
ساری باتیں بھول گئے
اس سے آنکھیں ملتے ہی(۴)

ثروت حسین کا ایک اختصاص یقینی طور پر اس کا طرزِ نظر بھی ہے۔ اسے دلِ گداز کے ساتھ ساتھ ایسی چشمِ طرحدار عطا ہوئی تھی، جو اپنے گرد وپیش میں موجود ہر شے کو بامعنی منظر کے بطور دیکھنے کی اہل تھی۔ یہی سبب ہے کہ آپ کو اس کی شاعری میں اور بالخصوص، نظموں میں جگہ جگہ ایسی امیجری نظر آتی ہے جس سے آشنا تو ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ متعلقہ اس حسّیت Sensibility کا آپ اس سے قبل ادراک کرنے سے قاصر رہے ہوتے ہیں، جس کا انکشاف آپ کو ثروت کی لائنوں سے ہوتا ہے۔ 'میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے'، والی کیفیت محسوس کرتے ہیں آپ۔ مثلاً، اسی مجموعے کی ایک نظم ''چاہت'' دیکھیے:

آدمی، پیڑ اور مکان
صاف نیلا آسمان
سنگ ریزے اور گلاب
سب کے سب اچھے لگے
اس کے گھر جاتے ہوئے(۵)

(بقول غلام حسین ساجد۔ ''یہ نظم، ثروت حسین نے اس وقت لکھی جب وہ ان کے ہمراہ منیر نیازی کے ہاں جا رہے

تھے۔''(۶) اور اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو اس نظم کی معنویت میں مزید کچھ ابعاد کا اضافہ ہوتا معلوم ہوتا ہے)

ثروت حسین کی نظم کے حوالے سے یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب ۶۰ء کی دہائی میں نظم نگاری کا اور بالخصوص نثری نظم گوؤں کا بڑا زور وشور تھا۔ ان ہی دنوں میں ثروت نے بھی نظم لکھنی شروع کی۔ یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ طبعِ رواں کے بموجب، بنیادی طور پر غزل گوئی سے اس کی اولین مناسبت غزل ہی سے تھی۔ لہٰذا، جب نظم کی طرف آئے تو اول اول پابند نظم، نظمِ معرّیٰ جیسی اصناف ہی میں طبع آزمائی کی۔ بعد ازاں، وائی، کافی، فرد (بیت) اور نثری نظم کی طرف بھی آ گئے اور جلد ہی اپنے عہد کے نمائندہ نظم گوؤں میں شمار ہونے لگے۔ جیسا کہ نظیر صدیقی نے لکھا ہے:

> ثروت حسین، جدید انداز کی مختصر نظمیں اس زمانے (۷۱۔۱۹۷۰ء) میں بھی لکھتے تھے۔ گزشتہ دس سال کے اندر وہ نہ صرف جدید نظم کے جدید ترین نمائندہ شاعروں میں شمار ہونے لگے ہیں بلکہ نوجوان غزل گو شاعروں میں بھی شمار ہونے لگے ہیں۔ ان کی شہرت جو یقیناً ابھی تک عام نہیں ہے، پاکستان سے ہندوستان پہنچ چکی ہے۔(۷)

ثروت حسین کی مذکورہ نظمیں، جنھیں نظیر صدیقی نے ''جدید انداز کی مختصر نظمیں'' کہا، بنیادی طور پر میری رائے میں ثروت کے دانستہ کیے گئے تخلیقی تجربہ کی ذیل میں آتی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو تین چار سطروں میں ایک وسیع منظر کو سمیٹ سماٹ کر بایں خوبی بیان کرنا کہ اس کی ایک نئی معنویت، ایک نیا تناظر قائم ہو جائے اور کاملاً بامعنی ہو، یہ ہفت خواں طے کرنے کے لیے غزل کا تربیت یافتہ ذہن لازم ہے جو پہلے ہی ایک بڑے تجربے کو ایجاز اور کفایتِ لفظی کی خوبیوں کے ساتھ دو مصرعوں میں بیان کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آنے والی نظموں کے حوالے سے ثروت حسین کا اپنا موقف کیا تھا، ایک انٹرویو سے واضح ہوتا ہے:

> میں شروع ہی سے مختلف تجربات کا قائل رہا ہوں۔ یہ کسی فیشن کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ میری طبیعت کا میلان ہے۔ نثری نظم بھی ایک تجربے کے طور پر ہی لکھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی سہل چیز نہیں ہے، اس میں بھی مجموعی طور پر ایک باطنی آہنگ موجود ہوتا ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ میری اچھی نظمیں نثری نظم ہی کی فارم میں ہیں۔ مثلاً ''ایک انسان کی موت'' اور ''ایک نظم کہیں سے بھی شروع ہو سکتی ہے'' اس کی مثال ہیں... دراصل شاعر کے باطن میں شعری توانائی موجود ہو تو وہ پوری شدت اور تاثر کے ساتھ نثری نظم لکھ دیتا ہے اور اگر باطن ہی میں شعری قوت موجود نہ ہو تو پھر نظم، نثر بن جاتی ہے۔(۸)

اپنی نظم نگاری کی بابت ثروت حسین کا یہ اظہارِ خیال، بذاتِ خود بہت معنی خیز ہے کیونکہ اس سے جو بات سامنے آتی ہے وہ ثروت کو اپنے عصر میں ہونے والے شعری کام کی حقیقی نوعیت کے بارے میں کاملاً آگاہی ہے۔ اسے بخوبی ادراک

ہے کہ اس کے گردوپیش، بیش از بیش جو نظمیں لکھی جا رہی ہیں، ان کا سبب کوئی حقیقی تخلیقی یا وجدانی تجربہ نہیں بلکہ اسے اتنے زوروشور سے محض ایک فیشن کی سطح پر اپنایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ثروتؔ کا رویہ اس باب میں ''اظہارِ برأت'' کا حامل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے نقطۂ نظر میں نظم (اور بالخصوص ''نثری نظم'') کوئی روٹین کی شے ہرگز نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل ''باطنی آہنگ'' کی حامل ہوا کرتی ہے اور یہ باطنی آہنگ، اپنے قائم ہونے کے لیے بجائے خود ایک بھرپور شعری و تخلیقی تجربے کا متقاضی ہوتا ہے۔ ثروتؔ کی نظموں میں، اس کا جدید نظم کی شعریات کے باب میں یہ تصور، جگہ جگہ اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ قاری، بیشتر ملاحظہ کرتا ہے کہ نظموں کا منظر نامہ اپنے پیرایۂ اظہار میں بڑی توانائی کے ساتھ قائم ہوا ہے۔ اس کے ہاں سطر سطر سے جو سرشاری و سرخوشی چھلکتی ہے، اس کی نوعیت سراسر تخلیقی و وجدانی سطح سے معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً یہی نظمیں دیکھیں:

آنکھوں سے زیادہ گہرا
کرنوں سا نرم، سنہرا
آوازوں سا تروتازہ
گیتوں سا بے اندازہ
یہ گیت، تمھارا گھر ہے (۹)

(مجھے لگتا ہے کہ یہ نظم بعنوان ''یہ گیت تمھارا گھر ہے''، جدید حسیّت Modern Sensibility کا ایک شہکار ہے۔ اور یہ اس میں جس طرح تخلیقی سرمستی میں یک جان ہو کر سامنے آئی ہے، اسی قامت و کمیت کے فن پارے اس کے مقابل لانا شاید اتنا سہل نہ ہو)

شاعر عموماً، اپنے گردوپیش کے ماحول سے اور مختلف مناظر سے اثر قبول کیا کرتا ہے، بایں صورت کہ اس میں کئی چیزیں، کئی مظاہر اس کی شاعری میں بطور امیجری Imagery کے در آتے ہیں لیکن اس باب میں ثروت حسین کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اردگرد کی زندگی کو نہ صرف یہ کہ قبول کرتا ہے بلکہ انھیں ایک نئی معنویت سے روشناس بھی کراتا جاتا ہے۔ اس کی نظمیں، ایسی منظر نگاری سے لبریز ہیں جو بارہا دیکھے ہوئے منظروں کو بھی وہ حیرانی عطا کر دیتے ہیں، جو اوّلین مرتبہ دیکھنے پر ہوا کرتی ہے۔ اس شاعری سے گزرنے والا قاری ایک ایسے زاویۂ نگاہ کا تجربہ کرتا ہے جس کے مطابق اس کے اطراف پھیلی ہوئی دنیا میں ہر شے، ایک دوجے سے بڑے معنی خیز طور پر جڑی ہوئی ہے، باہم مربوط اور گہری وابستگی کی حامل۔ ثروتؔ کا یہ فکری رویہ محض قرب وجوار کے مناظر سے ہی مخصوص نہیں، بلکہ اس کی آنکھ دوردراز کے مظاہر کو بھی اپنے گردوپیش کے ساتھ کسی مضبوط تعلق کے ساتھ منکشف کرتی معلوم ہوتی ہے۔

سایہ ہے گہری چُپ کا اکیلے مکان پر
دل مطمئن بہت ہے مگر اس گمان پر

روشن ہے اک ستارہ ہمارے بھی نام کا
پیڑوں کی چوٹیوں سے ادھر آسمان پر [۱۰]

بہتا ہوا پانی
پیڑوں کے ماتھے کو
چُوم گئے بادل
شاخوں سے ٹکرائیں
...بات
کچّے پھولوں کی
خوشبو جگائے
سورج کی بانہوں میں
... رات
بہتا ہوا پانی [۱۱]

ثروت حسین کی کچھ نظمیں ایسی ہیں جن کی منہاج میں قاری کو معاشرے کے پسے ہوئے طبقات، محنت مشقت سے بسر کرنے والوں کے لیے ایک فکر مندی کا عنصر واضح نظر آتا ہے۔لیکن اس ضمن میں بھی مجال ہے کہ ثروت، آپ کو کہیں بھی روشِ عام پر گامزن دکھائی دے، بنا بریں کہ وہ کہیں بھی اپنی اس فکری رو میں بہہ کر یاروں کی طرح ''نعرے بازی'' کی فروتر سطح پر اترنا گوارا نہیں کرتا بلکہ اس کا کہا ہوا ہر مصرع، اس کی بُنی ہوئی ہر سطر ''آرٹ'' کی صحیح تر پیشکش لیے ہوئے ہے۔ مثلاً، اس کی ایک مختصر نظم ہے بعنوان ''بندرگاہ میں گرم پُرشور دن کا آغاز''۔اس نظم کے چار مصرعوں میں ایک جہان آباد دکھائی دیتا ہے۔محنت کشوں کی زندگی کے ساتھ جڑی ہوئی فعالیت وتحرک، اس فن پارے کی تخلیق کا موجب بنتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بادی النظر میں محض ایک تصویر نظر آنے والی یہ نظم فی الواقع، اپنی کیمیت میں کہیں فزوں تر درجے کی شے ہے، ازحد بامعنی اور بامقصد... نظم دیکھیے:

سورج دیکھنے والی آنکھ
محنت کرنے والے ہاتھ
گیلے تختے، جلتے پیر
اچھے لوگو! صبح بخیر!! [۱۲]

ثروت، اپنے گردوپیش کے مشاہدے میں ایں درجہ منہمک ہونے کے باوجود اگر بغور دیکھا جائے تو وسیع تر

معنیات کا شاعر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سروکار محض اس دنیائے دُوں کے مظاہر و اشیا ہی سے نہیں بلکہ اس سب کچھ کے باہمی رشتوں سے لے کر معلوم سے نامعلوم کے بیچ کھنچی ہوئی کم نما لکیروں تک کا سارا نواح بھی اس کی دلچسپیوں کا محور ہے۔ ثروت حسین کے ہاں، استعارہ سازی کا سارا عمل ایک نئے اندازِ نظر کا حامل اسی لیے معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بظاہر ایک ''نقاش'' نظر آنے کے باوصف اپنے باطن میں کسی گہرے تفکر کا تسلسل لیے ہوئے ہے اور یہی مؤجب ہے اس ساری ندرتِ خیال و اظہار کا، جو ایسے ہر بالغ نظر قاری کو محسوس ہوتی ہے جو اس کی شعریات سے سرسری گزرنے کے بجائے کاملاً متوجہ رہتا ہے۔ ثروت کے ہاں بار بار ترسیل ہونے والا ایک تاثر ''رزم گاہ'' کا سا ہے، جس سے میں ''رزم گاہِ حیات'' مراد لیتا ہوں۔ ہونی اور انہونی کا ایک دوسرے کے متوازی جاری و ساری رہنے کا مسلسل احساس ہی شاید اس کا باعث ہو کہ یہ شاعر مسلسل تگ و دو، انتھک کاوش کے منظر نامہ پر اصرار کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن، یہ منظر نامہ محض جوں کا توں پیش ہی نہیں کر دیا گیا بلکہ اس کے ساتھ اندیشۂ قضا، خدشۂ اجل کی پرچھائیں بھی دکھائی دیتی ہے۔ ایک خوف کا احساس جیسے کچھ ہونے کو ہے۔ کچھ مقامات پر تو گفتۂ حافظ بھی یاد آیا مجھے:

عاقبت منزلِ ما، وادیٔ خاموشان است

اس تناظر میں ذرا یہ نظمیں دیکھیے:

دھوپ
اور
دوریوں کے درمیان
ایک آواز سنائی دیتی ہے
جیسے مچھلی
سیاہ جال سے بے خبر
سنہری پروں سے
پانی کاٹتی ہے (۱۳)

اُجلے پرندو! وہ دن کتنا میلا ہوگا
آسمان بہت دور دور تک پھیلا ہوگا
میں کشتی کے فرش پہ گر جاؤں گا تھک کر
پانی کا ہاتھ سُلا دے گا مجھے تھپک تھپک کر (۱۴)

ثروت حسین کے ہاں، فکر ونظر کے کتنے ہی رنگ ہیں جنھیں تا حال اہلِ نقد ونظر نے لائقِ اعتنا نہیں سمجھا، حالانکہ یہ تنوع بجائے خود، ایک قابلِ توجہ مظہر ہے۔ کہیں ذاتی کرب کی پرچھائیاں تو کہیں بے یقینی و بے سکونی کے سائے، کہیں مسلسل اضطراب و اضطرار تو کہیں مرگِ ناگہاں کے اندیشے... اس کے ایوانِ شعر کی رنگا رنگی میں یقیناً، دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ تخلیقی شعور اور خود شعوری بھی اس کی شعری بیانیہ کی تشکیل میں شریک جانے جائیں گے۔ یہ خاک دان ثروت پر جس طرح منکشف ہوا، اس میں محض ارضی مظاہر کی مادی تجسیم ہی شامل نہیں تھی، بلکہ اس کے شعری مکاشفہ میں وہ عناصر بھی موجود نظر آتے ہیں، جو بڑی شاعری کی شناخت بنا کرتے ہیں۔ فرد اور کائنات کے مابین موجود گونا گوں رشتوں کا انکشاف ایسا ہی ایک عنصر ہے جو ثروت حسین کے ہاں دریافت و بازیافت ہر دو صورتوں میں بارہا نمودار ہوتا ہے۔ اس تناظر میں ''اداسی کا گیت'' کے عنوان سے موجود ایک نظم پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں بظاہر کچھ مناظر کی یکجائی کے ساتھ ایک مربوط تاثر کی ترسیل ہو رہی ہے۔ جیسے کسی پرانے تصویری البم کے اچانک نظر پڑنے پر کچھ باہم غیر متعلق سے واقعات و مناظر سامنے آئیں لیکن جو بباطن بڑے گہرے اور پر اسرار باہمی تعلق کے حامل ہوں۔ اس نوع کی Collectivity بڑی نادر ہے ہماری اردو نظم میں ،جس میں ایک زندگی کا وسیع احاطہ کچھ تصویروں کی وساطت سے منعکس کر دیا جائے۔ ایسی ہنرمندی کے نمونے ثروت کے ہاں بڑی کثرت سے ہیں:

شام ہوئی، آنسوؤں میں بھیگنے لگے
لڑکیوں اور پھولوں کے ان گنت نام
کہیں کسی پڑاؤ پر رُکے ہوئے لوگ
کہیں کسی الاؤ پر جھکے ہوئے پیڑ
سفر کیا بادلوں نے تارے کے بغیر(۱۵)

کتنے برس گزر گئے
کوئی چراغ، کوئی پھول
تم نے مجھے دیا نہیں
خواب مِرے سنے نہیں
چاک مِرا سیا نہیں
صبح کے بعد دوپہر
شام میں ڈوب جائے گی

شام کے بعد رات ہے
رات کے بعد پھر کہاں
یہ مرے خواب کا مکاں(۱۶)

ثروت حسین کی نظم سرا میں ایک کمال اور بھی ہے جس میں وہ کئی ایسے مناظر کو جو بظاہر باہمی طور پر ایک دوسرے سے متصل نہیں ہوتے اور سراسر غیر متعلق معلوم ہوتے ہیں، کچھ ایسی فن کاری سے یکجا و یکجان کرتا ہے کہ نہ صرف ان کی یکجائی بامعنی ہو جاتی ہے، بلکہ وہ بہم قریب آ جانے کے سبب بڑے بلیغ پیرائے میں کسی شدید احساس کی ترسیل کرنے لگتے ہیں۔ اس تکنیک کے استعمال کی ایک کامیاب مثال ملاحظہ کریں:

پرندوں اور بادلوں سے خالی آسمان کے نیچے کسی دور دراز
اسٹیشن کے برآمدے میں ریت بھری بالٹیاں اور ایک بھاری زنجیر۔۔
جنگلے کو تھام کر پھیلتی ہوئی بیلیں، رُکی ہوئی مال گاڑی کے پہیے اور
پتھروں کی ابدی خاموشی میں قریب آتی ہوئی یاد، کبھی کبھی چمکنے والی بجلی
کی چکاچوند میں آبائی مکان کی جھلک جہاں کیاریوں کے پاس ایک بیلچہ
بارشوں میں بھیگ رہا ہے...
کوئی ہمارا نام لے کر پکارتا ہے، کیا وہ لڑکی اب بھی کسی کھڑکی پر کہنیاں ٹکائے ہمیں
اداسیوں کے سرسراتے جھنڈ سے گزرتے دیکھ سکتی ہے... یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے(۱۷)

ولیم اوڈ یلے نے پابلو نرودا کی کتاب *The Book of Questions* کے دیباچے میں اس کی نظموں کی فکری اساس پر بات کرتے ہوئے اس کے بیشتر سرمائے کو ''قوتِ متخیّلہ کے مسلسل انکشاف سے ہونے والی دنیائے گردوپیش کی بازیافت'' کے بطور شناخت کیا تھا۔(۱۸) کچھ یہی معاملہ مجھے ثروت کی شعریات کی ساخت پرداخت میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ نرودا کے ہاں جو شے اس کی ساختیاتی منہاج بنتی ہے، وہ گردوپیش میں رونما ہونے والی زندگی کو ازسرِ نو دریافت کرنے کا عمل ہے اور ثروت حسین کی نظم سرا کو ایوان در ایوان آپ اسی اختصاص کا حامل پاتے ہیں۔ محولہ بالا نظموں میں آپ کو محض ثروت کی امیجری میں مناظر جوں کے توں نہیں ملتے بلکہ اس صورت میں ملتے ہیں، جو انھیں شاعر نے عطا کی ہے، اس معنویت کے حامل جس سے وہ ثروت کی نگاہ پڑنے کے بعد آشنا ہوئے۔ یہاں ''اسٹیشن کا برآمدہ، وہاں لٹکی ہوئی ریت کی بالٹیاں اور بھاری زنجیر'' محض اشیا نہیں بلکہ ایک باقاعدہ 'وجود' کے حامل بامعنی کردار ہیں۔ ''مال گاڑی کے پہیوں، کبھی کبھار چمکنے والی برقی چکاچوند، آبائی مکان، کیاریوں کے پاس بارش میں بھیگتا بیلچہ....'' یہ ساری تصویریں نہیں جیتی جاگتی سانس لیتی زندگی ہے، جس نے ثروت حسین کی نظموں میں بارِ دیگر جنم لیا ہے۔

حواشی

(۱) ثروت حسین، آدھے سیارے پر، (لاہور: قوسین، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۹
(۲) ایضاً، ص ۲۱
(۳) سہیل احمد خان، ہم عصر تارا، آدھے سیارے پر، ایضاً، ص ۱۳
(۴) ثروت حسین، محولہ بالا، ص ۲۳
(۵) ایضاً، آدھے سیارے پر، محولہ بالا، ص ۲۵
(۶) غلام حسین ساجد، ایک انٹرویو، (آڈیو ریکارڈنگ)، لاہور، ۲۰۱۳ء
(۷) نظیر صدیقی، جدید اردو غزل: ایک مطالعہ، (لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۸۴
(۸) ثروت حسین، انٹرویو، مشمولہ روزنامہ سفیر، حیدرآباد، ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۷ء
(۹) ایضاً، آدھے سیارے پر، ص ۲۶
(۱۰) ایضاً
(۱۱) ایضاً، ص ۲۸
(۱۲) ایضاً، ص ۲۹
(۱۳) ایضاً، دن اور جھاگ (نظم)، مشمولہ آدھے سیارے پر، ص ۳۰
(۱۴) ایضاً، پانی کا ہاتھ (نظم)، ایضاً، ص ۳۱
(۱۵) ایضاً، اداسی کا گیت (نظم)، ایضاً، ص ۳۲
(۱۶) ایضاً، یہ مرے خواب کا مکاں (نظم)، ایضاً، ص ۳۳
(۱۷) ایضاً، یہاں تک کہ شام ہوجاتی ہے (نظم)، ایضاً، ص ۳۴
(۱۸) ولیم اوڈیلی، *Introduction*، مشمولہ *The Book of Questions*، پابلو نرودا، (واشنگٹن: کوپر کینین، ۱۹۹۱ء)، ص viii

مآخذ

(۱) اوڈیلی، ولیم، *Introduction*، مشمولہ *The Book of Questions*، پابلو نرودا، واشنگٹن: کوپر کینین، ۱۹۹۱ء
(۲) حسین، ثروت، آدھے سیارے پر، لاہور: قوسین، ۱۹۸۷ء
(۳) خان، سہیل احمد، ہم عصر تارا، آدھے سیارے پر، ــــــــ
(۴) صدیقی، نظیر، جدید اردو غزل: ایک مطالعہ، لاہور: گلوب پبلشرز، ۱۹۸۴ء

انٹرویو

(۱) حسین، ثروت، انٹرویو، مشمولہ روزنامہ سفیر، حیدرآباد، ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۷ء
(۲) ساجد، غلام حسین، انٹرویو، (آڈیو ریکارڈنگ)، لاہور، ۲۰۱۳ء